© rasailojaraid.com

۵۲۔ ضیاء النبی۔ پیر کرم شاہ الازہری۔ جلد ا صفحہ ۱۰۴

۵۳۔ یہودیت قرآن کی روشنی میں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ صفحہ ۱۱

۵۴۔ تبیان القرآن۔ علامہ غلام رسول سعیدی۔ جلد ۲، صفحہ ۳۹

۵۵۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ بحوالہ بائبل سے قرآن تک (ترجمہ و شرح اظہار الحق)۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ جلد ا صفحہ ۵۳۴

۵۶۔ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا۔ بحوالہ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ۔ چوہدری غلام رسول۔ صفحہ ۳۲۸

۵۷۔ لفظ یہودیت کا اطلاق حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل پر ہوتا ہے اس نسل کے اندر ربیوں اور احبار نے اپنے خیالات کے مطابق مذہبی قواعد و ضوابط کا جو ڈھانچہ تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔

۵۸۔ "انا انزلنا التورة فیھا ھدی و نور" ترجمہ: بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے۔ (القرآن ۵:۴۴)

۵۹۔ "ولقد اتینا موسیٰ و ھارون الفرقان وضیاء و ذکر للمتقین" ترجمہ: اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق اور باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب دی جو متقین کے لیے روشنی اور نصیحت ہے (القرآن ۲۱:۴۸)

۶۰۔ "اس (اللہ عزوجل) نے حق کے ساتھ آپ ﷺ پر کتاب (قرآن مجید) نازل کی جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس نے تورات کو نازل کیا" (القرآن ۳:۳)

۶۱۔ تفہیم القرآن۔ ابوالاعلیٰ مودودی۔ جلد ا، صفحہ ۲۳۴

۶۲۔ تدبر قرآن۔ مولانا امین احسن اصلاحی۔ جلد ا، صفحہ ۲۵۱

۶۳۔ "بے شک ان (یہود) میں سے ایک گروہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تحریف کر دیتے تھے" (القرآن ۲:۷۵)

۶۴۔ ضیاء القرآن۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمت اللہ تعالیٰ علیہ۔ جلد ا، صفحہ ۲۵۱

۶۵۔ "وہ (یہود) بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصل جگہوں سے" (القرآن ۵:۱۳)

۶۶۔ تفسیر مظہری۔ حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ۔ جلد ۳ صفحہ ۷۶

۶۷۔ "اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا"۔ (القرآن ۲:۱۶۳)

۶۸۔ "اور ہم نے ان پر تورات میں فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے" (القرآن ۵:۴۵)

۶۹۔ "اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو" (القرآن ۱۷:۲۳)

۷۰۔ "اور اللہ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا" (القرآن ۲:۲۷۵)

۷۱۔ "تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور گلا گھٹ جانے والا اور چوٹ سے مارا ہوا اور گر کر مرا ہوا اور سینگ مارنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو" (القرآن ۵:۳)

ہدایت وضلالت میں انتخاب کی آزادی

(سورہ نحل کی آیت نمبر ۹ کی روشنی میں)

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

وعلی اللہ قصد السبیل ومنھا جائر ولو شاء لھدٰکم اجمعین۔ (النحل/۹)

"وعلی اللہ قصد السبیل" اس آیت کے دو طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں۔

۱۔ اور اللہ پر سیدھی راہ کا بتا دینا ہے۔

۲۔ اور اللہ تک پہنچتا ہے سیدھا راستہ۔

ان دونوں ترجموں کی تائید قرآنی آیات سے ہوتی ہے۔ اس لئے یہ دونوں ترجمے اپنی اپنی تعبیرات و تفسیرات میں درست جچتے ہیں۔

اول الذکر ترجمے کے باب میں قرآنی تائیدات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ان علینا للھدیٰ۔ (اللیل/۱۲)

بے شک سیدھا راستہ بتانا اور دکھانا ہمارا کام ہے۔

۲۔ ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ۔ (البقرہ/۱۲۰)

بے شک خدا کی طرف سے ملنے والی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔

موخر الذکر ترجمے کے باب میں قرآنی تائیدات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ھذا صراط علیّ مستقیم۔ (الحجر/۴۱)

یہ سیدھی راہ توازن بدوشانہ انداز میں مجھ تک پہنچاتی ہے۔

یہاں علیٰ بمعنی الیٰ آیا ہے۔ (تفسیر ابن جریر)

۲۔ ان ربی علی صراط مستقیم۔ (ھود/۵۶)

بے شک میرا پروردگار زندگی کے توازن بدوش سیدھے رستے پر چلنے کے نتیجے میں ملتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراب اول الذکر ترجمے کے تحت مذکورہ بالا آیت کا مکمل مفہوم ملاحظہ کیجئے۔

یہ خدا کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو معتدل رستے کی ہدایت فراہم کرے۔ کچھ رستے انحراف کے بھی ہیں۔ اگر خدا چاہے تو تم سب کو جبراً ہدایت پر کر دے۔ (لیکن مجبور کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے اس نے ایسا نہیں کیا)۔

گذشتہ آیات میں خدا کی مختلف نعمتوں کا ذکر ہے۔ اور اس آیت کے مابعد آیات میں بھی مختلف نعمتوں کا ذکر ہے۔ اور آیت مذکورہ میں بھی ایک مخصوص نعمت کا بیان ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس آیت میں جس نعمت کا ذکر ہے وہ معنوی نوعیت کی ہے۔ جبکہ ماقبل ومابعد آیات میں جن نعمتوں کا ذکر ہے وہ مادّی نوعیت کی ہیں۔ دراصل معنوی نعمت کو بیچ میں رکھ کر اس کی مرکزی حیثیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔

القصد (ض) کے معنی معتدل اور میانہ ہونے کے ہیں۔ لہٰذا قصد السبیل کا معنی ہوگا۔ ہدایت کے رستے کا معتدل ہونا۔ بعض مفسرین مثلاً علامہ جار اللہ زمخشریؒ نے کشاف میں قصد کو قاصد کے معنی میں لیا ہے کہ جو جائر کا الٹ ہے۔ اور جائر کے معنی سیدھے رستے سے پھرنے والے کے ہیں۔ پس قاصد کا معنی ہوا۔ معتدل رستے پر چلنے والا۔

اس بارے میں کہ یہ امر معتدل تکوینی پہلو سے ہے یا تشریعی پہلو سے۔ مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ تکوینی پہلو کی وضاحت اس طرح سے ہے کہ خدا نے انسان کو مختلف توانائیاں اور طرح طرح کی استعدادیں عطا فرمائی ہیں۔ بالخصوص استعداد عقل کہ جو انسان کو اسکے تکامل وارتقاء کی راہ میں مدد فراہم کرتی ہے۔ یعنی انسان کو قصد السبیل یعنی میانہ رستے کی ہدایت پر مائل کرتی ہے۔ تشریعی پہلو کی وضاحت اسطرح سے ہے کہ اللہ نے انسانوں کے لئے اپنے نبیوں کو ضروری ہدایات کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ یہ وہ ہدایات ہیں جو خیر وشر، صحیح وغلط اور حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیتی ہیں۔ قصد السبیل کی ضرورت واہمیت اور عظمت ورفعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے اسے اپنا فریضہ قرار دیتے ہوئے ''علی اللہ'' فرمایا ہے یعنی اس ہدایت کا دینا خدا پر لازم ہے۔

آیت میں منھا کی ضمیر ''سبیل'' کی طرف لوٹتی ہے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ تعود علی السبیل وھی مونثة الحجاز۔ منھا کی ضمیر سبیل کی طرف لوٹتی ہے۔ جو لغت حجاز میں مونث ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ لفظ مذکر ومونث ہر دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

مذکر کی مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔

وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا ج وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا۔

(الاعراف/۱۴۶)

اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو اسے اپنا رستہ نہ بنائیں۔ اور اگر ضلالت کی راہ دیکھ لیں تو اسے اپنا رستہ بنالیں۔

آیت میں ''یتخذوہ'' میں ضمیر ہ، سبیل کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے اور مونث کی مثال کے لئے ملاحظہ ہو

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ۔ (یوسف/۱۰۸)

کہہ دیجئے یہ میرا طریق ہے۔ میں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ یہاں سبیلی سے پہلے ھذہ میں ضمیر مونث کی آئی ہے۔ بہر کیف ضمیر مذکر ہو یا مونث، اس سے نفس مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں ضمیر کو السبیل کی طرف راجع کرنے میں ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے ذریعے وحی کے توسط سے قصد السبیل بتاتا ہے پھر چونکہ اسی قصد السبیل سے جائر رستے نکال لیے جاتے ہیں اس لیے ایک وحی کے بعد دوسری وحی کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے۔ تاکہ وحی تازہ کے ذریعے قصد السبیل کو پھر سے ظاہر کر دیا جائے۔

چونکہ قصد السبیل اب قرآن مجید کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے جو ہر طرح کی کمی وبیشی سے پاک ہے۔ اسلئے جائر رستوں کی حقیقت ہمیں اسکے ذریعے سے معلوم ہو سکتی ہے یوں کسی تازہ وحی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہاں صرف ضمیر کے مرجع سے اتنا اہم مضمون پیدا ہوا ہے۔ اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے ایسی ہدایت ہے کہ جس نے ضلالت کے رستوں کو بھی واضح کر دیا ہے۔ یعنی بتا دیا ہے کہ ہر وہ رستہ جائر (ظالمانہ) ہے۔ جو قرآن سے ہٹ کر بنایا گیا ہے۔

قصد السبیل کے ساتھ جائر کا ذکر اس امر کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس کائنات رنگ وبو میں انسان کو ذی ارادہ بنایا گیا ہے۔ اور اپنے عمل کا خود مختار بھی۔ کیونکہ اگر اسکی مشیت، جبر کا تقاضا کرتی تو وہ انسان کو ارادے اور اختیار کی آزادی ہی نہ دیتا۔ پھر انسان دیگر جانداروں کی طرح قانون جبر کا پابند ہوتا۔ نہ تو مستقبل بین ہوتا نہ جہاں بین۔ انسان کو اسکے ارادہ اور اختیار کی آزادی نے ہی اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کر دیا ہے۔ اسی لیے تو وہ ''ولقد کرمنا بنی ادم'' کا تاج کرامت اپنے سر پر سجائے تسخیر کائنات میں مصروف تگ وتاز ہے۔

انسان کے کمال وارتقاء کے لئے چونکہ اختیار وارادے کی آزادی بنیادی عامل کا کردار ادا کرتی ہے اس لیے قرآن مجید نے اس مختصر سے فقرے میں پوری حقیقت کھول کر رکھ دی ہے۔ ولو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاء لهدكم اجمعين ۔یعنی اگر خدا چاہتا تو تم سب کو جبراً ہدایت یافتہ کر دیتا۔لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ۔کیونکہ جبری ہدایت تمہارے ارادے واختیار کو تو ذکر رکھ دیتی۔پھر تمہاری نیکی ،نیکی نہ ہوتی ،تمہاری کسی خوبی اور صلاحیت میں تمہارا اپنا کوئی کردار نہ ہوتا۔پھر تمہارا اچھا ہونا، نہ تمہارے لیئے باعث افتخار ہوتا اور نہ تمہارے تکامل وارتقاء کا ذریعہ۔اس نے تمہیں اختیار کی آزادی بخشی تا کہ تم اپنی صلاحیتوں کو آزماؤ کیونکہ نکوئی وشر بھی ہر دو ہدایات تمہارے پاس موجود ہیں۔

بعض انسانوں کا منحرف راستوں کی طرف جانا اور بعض کا قصد السبیل کی طرف آنا انسانوں کے اختیار کی آزادی کی واضح دلیل ہے۔ ولو شاء لهدكم اجمعين ۔کا مطلب یہی ہے کہ خدا انسانوں کو اس زمین پر آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔اب یہ کام انسانوں کا ہے کہ وہ اس آزادی کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔لہٰذا یہ جس نے بھی کہا ہے غلط کہا ہے۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

اللہ نے انسان کو فجور وتقویٰ ،کی صلاحیتوں سے یکساں نوازا ہے یعنی وہ چاہے تو فجور کی راہ اختیار کرے اور چاہے تو تقویٰ کی۔

انا هدينه السبيل اما شاكرا و اما كفورا ۔(الدھر/۳)

ہم نے اس کے لئے صحیح راستے کی ہدایت کر دی ہے۔وہ چاہے تو ماننے والا بن جائے اور چاہے تو انکار کرنے والا۔(اس انتخاب میں جبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) حقیقت یہ ہے کہ لفظ "ہدایت" خود اس امر کی بہت بڑی شہادت ہے کہ انسان کو کسی نیکی یا بدی پر مجبور نہیں کیا گیا ہے کیونکہ ہدایت تو اسی کو دی جاتی ہے جو مجبور نہیں ہوتا۔اور مجبور کے پاس اپنے ارادہ اور اختیار کا کوئی Option نہیں ہوتا۔تاہم یہ بھی ایک بنیادی حقیقت ہے کہ عقل انسانی ،ہدایت کی ان مستقل اقدار کو از خود وضع نہیں کر سکتی ،جس کے مطابق حیات انسانی اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکے۔یہ اقدار خدا کی طرف سے ملتی ہیں۔اور انہیں وحی کہا جاتا ہے:قل ان هدى الله هو الهدى. (البقرہ/۱۲۰) آپ کہہ دیجئے۔بے شک اللہ کی ہدایت وہی ہے جو وحی ہے۔

عقل انسانی کو اس وحی کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح انسانی آنکھ کو روشنی کی۔وحی کی اس رہنمائی کو ہدایت خداوندی کہتے ہیں۔جو انسان کو زندگی کی توازن بدوش راہ کی طرف کشاں کشاں لے چلتی ہے۔

تفسیر المسائل و الاحکام

اہل کتاب کے "مومنین" سے مراد کون لوگ ہیں؟

سوال: سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اہل کتاب کے مومنوں کا ذکر ہے۔ان میں کون سے اہل کتاب مراد ہیں۔یہودی یا عیسائی؟ یا دونوں؟ اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۹ میں بھی اہل کتاب کے مومنوں کا ذکر ملتا ہے۔وہ کون سے اہل کتاب ہیں؟ (سید کمال احمد۔ملیر)

جواب: سب سے پہلے تو پہلی آیت مسئولہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

ولو امن اہل الكتاب لكان خيرا لهم منهم المؤمنون واكثرهم الفسقون.
(آل عمران/۱۱۰)

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا ان میں بعض تو مومن ہیں۔لیکن اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے۔

اس آیت کے سیاق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جن اہل کتاب کو "مومنون" کہا گیا ہے۔ان سے مراد یہود ہیں۔کیونکہ اگلی دو آیات میں جن امور کو بیان کیا گیا ہے۔ان کا تعلق بھی یہود سے ہی ہے۔مثلاً:

۱۔وہ جب تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ پھیر دیں گے۔

۲۔ان پر ذلت ومسکنت مسلط کر دی گئی ہے۔(اسمیں انکی دینوی حالت کی طرف اشارہ ہے)

۳۔وہ لوگوں سے کسی معاہدہ کے بغیر کہیں نہ رہ سکیں گے۔خواہ وہ معاہدہ حبل اللہ کی صورت میں مسلمانوں کی حکومت سے کیا گیا ہو یا حبل من الناس کی صورت میں غیر مسلم حکومتوں سے ہو۔

۴۔وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے ہیں۔(اسمیں انکی دینی حالت نیز اُخروی انجام کی طرف اشارہ ہے)

۵۔انہوں نے ناحق قتل انبیاء کی کوششیں کی ہیں۔یا انہوں نے ناحق انبیاء کو قتل کیا ہے۔

مذکورہ بالا جرائم میں سے بعض کا بیان ،یہودیوں کے تعلق سے سورۂ بقرہ/۶۱ میں بھی آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت مسئولہ یہودیوں کے تعلق کے خاص ہے۔

البتہ دوسری آیت مسئولہ میں مومن اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ دونوں کو لیا گیا ہے۔

پہلے ایک آیت ملاحظہ ہو پھر تفسیر:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وان من اہل الکتاب لمن یومن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیہم خشعین للہ لا یشترون بایت اللہ ثمنا قلیلا ۔ (آل عمران/۱۹۹)

اور یقیناً اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو ایمان باللہ کے حامل ہیں اور (اے مسلمانو!) جو کچھ تم پر اور ان پر نازل ہو چکا ہے اس کے بھی مومن ہیں اور وہ خدا کے احکام کے آگے خود کو جھکائے ہوئے ہیں۔

اور وہ آیات خداوندی کو تھوڑے داموں میں فروخت نہیں کرتے۔

یہاں پر وما انزل الیکم سے قرآن مجید اور ما انزل الیہم سے غیر تحریف شدہ کتاب (توریت وانجیل) مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل کتاب نے توریت وانجیل میں کتمان تحریف کا جرم نہیں کیا تھا۔ نہ بشارات کو چھپایا تھا نہ احکام کو بدلا تھا۔ دراصل 'لا یشترون' میں ان کی اس شاندار صفت کا بیان ہوا ہے۔ جو انکے ایمان کا ذریعہ بنی۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں اللہ کی آیتوں کو تھوڑے داموں میں نہیں بیچا۔ توریت وانجیل کے وہ احکام یا پیشگوئیاں جن سے آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا اثبات ہوتا تھا۔ ان کو جاننے اور ماننے کا نتیجہ قرآن مجید کو جاننے اور ماننے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص ایمان کو نمایاں کیا اور بتایا کہ ان کا ایمان بے غل وغش ہے۔ کیونکہ وہ خشعین للہ کا مصداق ہیں۔

قرآن مجید نے ایک مقام پر علماء کی تعریف بایں الفاظ فرمائی ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ۔ (فاطر/۲۸)

خدا کے حضور تو اس کے وہی بندے جھکتے ہیں جو (آثار فطرت) کا علم رکھتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے۔ وہ دراصل علماء ہی تھے۔ ان کے علم کی دلیل، انکی صفت خاشعیت ہے۔ اور دوسری دلیل لا یشترون میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ ان صفات کے مصادیق علماء ہی ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا۔ (البقرہ/۴۱) کے مخاطب بھی اصلاً علماء ہی ہیں کہ وہی اللہ کی آیتوں کو تھوڑے داموں میں بیچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور زمانہ نزول قرآن میں تو اکثر اہل کتاب کا یہی وطیرہ تھا پھر جنہوں نے کتمان حق اور اشتراء آیات کا ارتکاب کیا وہی مختوم القلوب ٹھہرے اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ انہیں توفیق ایمان نصیب ہوئی۔ اور وہی عنداللہ ماجور ہوئے۔

حافظ ابن کثیر کے مطابق یہودیوں میں سے مسلمان ہونے والے علماء کی تعداد دس تک نہیں پہنچی۔ البتہ عیسائیوں کی ایک قابل لحاظ تعداد مسلمان ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر) یعنی عیسائیوں میں سے

چالیس اہل نجران، بتیس اہل حبشہ اور آٹھ اہل روم مسلمان ہوئے۔ واضح رہے کہ یہ تعداد فقط دور رسالت مآب ﷺ کی ہے۔ اسکے بعد بھی بیشمار لوگ داخل اسلام ہوئے ہیں۔ اسلیئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آیت اپنے اندر پیشگوئی کا رنگ لیئے ہوئے ہے۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ کے قبول اسلام کا مظاہرہ گاہ بگاہ وباصرہ افروز یا سمع نواز ہوتا رہتا ہے۔ اور قرآنی صداقت کی شہادات پیش کرتا رہتا ہے۔

ابھی حال ہی میں گلشن اقبال (کراچی) کا ایک عیسائی پادری (عمانوئیل جان) مسلمان ہوا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ شیخ رکھا گیا۔ اس نے راقم الحروف کی رہائش گاہ پر منعقد ہونے والی ماہانہ علمی وتحقیقی نشست میں ہماری دعوت پر اپنے قبول اسلام پر لیکچر بھی دیا۔ یہ واقعہ پیشگوئی کے رنگ میں قرآنی سچائی کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔ ماضی قریب وبعید میں اہل کتاب کے متعدد اصحاب علم وفضل نے اسلام قبول کیا ہے۔ موریس بوکائے، علامہ اسد، مارماڈیوک پکتھال جیسے سینکڑوں نام ہماری تاریخ میں ہیرے کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ اور اب مستقبل قریب وبعید میں کتنے علمائے یہود ونصاریٰ مشرف بہ اسلام ہونے والے ہیں۔ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

لوطی نہیں، سدومی

السوال: لوطی، اس شخص کو کہتے ہیں جو اغلام باز ہو۔ کیا حضرت لوط علیہ السلام کے ماننے والے لوگ لوطی تھے۔ اس بارے میں صحیح کیا ہے؟ اغلاط کیا ہے؟ پلیز واضح کریں میں سخت ذہنی خلجان میں مبتلا ہوں۔

(سید عاطف علی، کراچی)

الجواب: جی ہاں! آپ نے درست لکھا ہے ہماری تقریباً تمام ہی اردو لغات میں لفظ "لوطی" کے معنی یہی لکھے گئے ہیں جو آپ نے بتائے ہیں۔ مگر میں اس معنی کو حضرت لوط علیہ السلام کی نسبت سے صحیح نہیں سمجھتا بلکہ اسے پیغمبر خدا کے ساتھ بے ادبی اور زیادتی پر محمول کرتا ہوں۔

میری ناقص رائے میں حضرت لوط علیہ السلام کے ماننے والوں اور فرمانبرداروں کو تو لوطی کہا جاسکتا ہے مگر ان گنہگاروں اور بدکاروں کو لوطی ہرگز نہیں کہا جاسکتا جو غضب الٰہی کا شکار ہو کر عذاب الٰہی کا نشانہ بنے۔ ایسے مجرموں کو حضرت لوط جیسے پیغمبر سے منسوب کرنا پیغمبر خدا کی شان میں سراسر گستاخی ہے۔ مگر افسوس کہ یہاں معاملہ الٹ ہوگیا ہے۔

اب لوطی، اس شخص کو کہتے ہیں، جو اغلام باز ہو۔ اور اس معنی کو اسقدر استحکام حاصل ہوگیا ہے

© rasailojaraid.com